قسط نمبر ۲۴

ہندو تہذیب اور مسلمان

از ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

آگرے میں پتنگ بازی عام تھی. نظیر اکبرآبادی نے اس شہر کی پتنگ بازی کی بڑی دلکش تصویر کھینچی ہے۔ آگرے میں پتنگ بازی کے میلے کو زحبلا کہتے تھے، اس میلے میں ہر کہہ ومہ، ہر طبقے اور پیشے کے لوگ شریک ہوتے تھے

یاں جن دنوں میں ہوتا ہے آنا پتنگ کا ٹھہرے ہے ہر مکان میں بنانا پتنگ کا
ہوتا ہے کثرتوں سے منگانا پتنگ کا کرتا ہے شاد دل کو اڑانا پتنگ کا
کیا کیا کہوں میں شور مچانا پتنگ کا

اڑنا دو باز کا ہے وہ شوخی کی دستگاہ دیکھے تو باز جرّے کو ہو اسکی دل بہ چاہ

ے رام پور میں پتنگ بازی کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ ہو

DAVIDSON DIANY TRAVELS AND ADVENTURES IN UPPER INDIA. (LONDON 1843) P.29)

۲ے وہ کنکوا جس کے دونوں بازو اصلی رنگ کے خلاف لگائے گئے ہوں،

شکرے کی باز آوے نہ اس جا کبھی نگاہ   بحری[1] کی بھی دیکھ یہ کہتی ہیں "واہ واہ"
ایسا ہے ناز و حسن دکھانا پتنگ کا

ہر لحظہ اس بہار سے اڑتا ہے للیرا[2]   بلبل سمجھ کے گل جسے ہو جاوے مبتلا
گھائل کے اڑنے کی بھی صفت اب کہوں میں کیا   گھائل جو عشق کے ہیں یہ کہتے ہیں بر ملا
ہے دل میں خوب شوق بڑھانا پتنگ کا

اڑنا لنگوٹیے[3] کا ہے ایسا کچھ ارجمند   گوشہ سے جس کو دیکھنے آوے لنگوٹ بند
اور چاند تارے[4] کی بھی چمک چاند سے دو چند   اڑنا پہاڑیے[5] کا بھی اس قدر بلند
اکھڑے تو پھر فلک پہ ہو جانا پتنگ کا

بگلے[6] سے اڑنے میں بھی وہ خوبی ہے آشکار   مچھلی نگہ کی دیکھ کے ہو جس کے بیقرار
پنّے[7] کے مول کا بھی دو پنا ہے خوش نگار   دیسڑ بھی ابلقے کو چڑاتا ہے بار بار
چنچل پن اس قدر ہے جتانا پتنگ کا

---

۱ باز بحری کی طرح ایک شکاری چڑیا
۲ وہ پتنگ جس میں لال پر لگائے گئے ہوں
۳ ایک قسم کا پتنگ
۴ چاند تارا بھی ایک قسم کا پتنگ تھا جس پر کاغذ کے چاند لگاتے تھے
۵ بڑی قسم کا پتنگ
۶ سفید پتنگ
۷ ہیرا، دوپیا، سبز رنگ کے دو باز و لگا ہوا پتنگ

اڑنا گلہرے[1] کا بھی کیا کروں بیاں ، دیکھیں درخت پر جسے چڑھ کر گلہریاں
اور ہے دو دھارے[2] کی بھی کچھ اور آن بان حیراں ہو جس کے نیچ نگاہِ پری رخاں
پھر کس طرح نہ دل ہو دوانا پتنگ کا

اڑتا ہے اس طرح سے وہ ہے جو مانگدار[3] ہوتا ہے جس پہ گوہر دل دیکھ کر نثار
خربوزے کی کانپ کا جھکنا یہ ڈال دار اور ہیندی[4] پان کی بھی کچھ اس طور کی بہار
گویا ہوا میں گل ہے کھلانا پتنگ کا

بمنا[5] بھی اپنی دیتا ہے جس وقت خوبی کھول نکلے ہیں "واہ واہ" کہ ہر اک زباں سے بول
اور ہے دو کنے[6] کی بھی اک اک ادا امول اڑتا ہے کلسرے[7] میں بھی شیرازیوں کا غول
جیدھر ہے نوک جھونک دکھانا پتنگ کا

اڑتے ہیں اس ہجوم سے کنکوے چھپکے کوا پکڑنے سے گویا کوے ہیں اڑ رہے
چھوٹی بھی تکل[8] ایسی کہ رخ سے فقط[9] اڑے جھجاد ہیں سنڈھا دمیں کچھ اس قدر بڑے
لازم ہے گر کہیں انھیں نانا پتنگ کا

---

۱ گلہری کی شکل کا پتنگ
۲ وہ پتنگ جس پر کاغذ کی دو پٹیاں لگی ہوتی ہیں
۳ مانگ نما پتنگ
۴ ایک قسم کا کنکوا
۵ ایک قسم کا پتنگ
۶ وہ پتنگ جس کے صرف دو کونے ہوتے ہیں
۷ ایک قسم کا پتنگ
۸ ایک خاص قسم کا کنکوا جس میں دو کانپیں لگی ہوتی نہیں
۹ ایک قسم کی مضبوط ریشمی ڈور

گر بیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں "دیکھیو" رہ رہ کسی طرح سے نہ اب دیجئے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں اد میاں رکھو پھر ایک رگڑا دے کہ ابھی اس کو کاٹ دو
ہے گا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

کٹتا ہے جو پتنگ تو پھر لوٹنے اسے دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
کاغذ ذرا سا ملتا ہے یا کڑے کانپ کے جب اس طرح کی سیر بھلا آن کر پڑے
پھر سوچئے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا

اس آگرے میں یہ بھی تماشا ہے دلپذیر ہوتے ہیں دیکھ شاد جسے خورد اور کبیر
کیوں کر نہ دل پتنگ کی ڈور میں اسیر خوباں کے دیکھنے کے لئے کیا میاں نظیر
ہے یہ بھی ایک طرفہ بہانا پتنگ کا[1]

عوام ہی نہیں بلکہ خواص اور امراء کے طبقے میں بھی پتنگ بازی کا شوق سرایت کر گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اٹھارھویں، انیسویں صدی کے امراء کو "رزم" سے کوئی سروکار نہ رہا تھا اور وہ رزم کی بات کو سننا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے، سودا کا بیان ہے

جو کوئی ملنے کو ان کے انھوں کے گھر آیا ملے یہ اس سے گر اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکر سلطنت اس میں وہ درمیاں لایا انھوں نے پھیر کے ادھر سے منھ یہ فرمایا
خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتیں بول[2]

اور ان کی زندگی لہو و لعب اور بزم آرائیوں میں گذرتی تھی جیسا کہ "مرقع دہلی" کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، نوابین بنگال اور اودھ بھی پتنگ بازی سے دلچسپی لینے لگے تھے طبا طبائی کا بیان ہے میرن بن نواب میر محمد جعفر خاں (نواب بنگال) اپنے چچا کاظم کے

---

[1] کلیات نظیر اکبر آبادی ص/ ۲۶۲، ۴۶۴، ۲۷
[2] کلیات سودا ۱/ص ۳۶۸

سانھ پتنگ اڑاتا تھا[۱]۔ یہی حال نواب آصف الدولہ کا تھا، دوسرے تفریحی مشاغل کے علاوہ اسے پتنگ بازی کا بھی چسکا تھا[۲]

اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے شعراء کے کلام میں پتنگ بازی کے بارے میں بہت سے بکھرے ہوئے اشعار ملتے ہیں، مصحفی کا ایک شعر ملاحظہ ہو

ہوتا ہے پہلے خون سے مانجھے کا رنگ سرخ
وہاں سامنے ڈور پر نہیں اوڑتا پتنگ سرخ[۳]

بھگت بازی

بھگت، راجستھان کی ایک ذات کا لقب تھا۔ اس ذات کی لڑکیاں ناچنے گانے

---

[۱] سیر المتاخرین (ا۔ت) ج ۲/ص ۲۲۳، مظفر نامہ (قلمی) ص ۱۳۹ الف

[۲] تاریخ احوال محمد شاہ تا آصف الدولہ (قلمی) ص ۷

[۳] دیوان ششم (پٹنہ قلمی) ص ۶۰ (الف) دیوان دوم (قلمی رامپور) ص ۴۳ ب، ۲۵، (الف) نیز ملاحظہ ہو دیوان ظفر ا/ص ۳۲۵

[۴] اس قبیلے کے بارے میں ابوالفضل نے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ پکھاوج اور رباب اور مجیرہ جیسے باجے بھی ہوتے تھے یہ لوگ طرح طرح کے بہروپ بھرتے تھے اور عجیب عجیب نقلیں کرتے تھے یہ لوگ رات کو کھیل کرتے تھے (آئین اکبری (ا۔ت) ۲/ص ۲۲۵

برہمنوں کا ایک فرقہ جو کتھک کہلاتا تھا، اپنے لڑکوں کو رقص و سرود اور ڈرامے کے کردار ادا کرنے کی تعلیم دیتے تھے، ہفت تماشا ص ۷۹ - ۸۰

کا کام کرتی تھیں، علاوہ ازیں ہولی کے ایام میں سوانگ بھرنے والے مسخرے کو بھی بھگت کہتے تھے۔ اس ذات کے لوگ اپنے کو وشنو کی اولاد بتاتے تھے اور بعد میں گانے بجانے کا پیشہ کرنے لگے تھے، مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ان کو بھگت باز کہنے لگے۔ یہ ایک پیشہ ور قبیلہ تھا جو ڈرامے اسٹیج کرکے یا سوانگ بھر کر اپنی روزی کماتا تھا۔ چونکہ ہندوؤں میں قدیم الایام سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ وہ لوگ رامائن اور مہابھارت کی کہانیوں کو ڈرامائی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس کام کا محرک صرف مذہبی جذبہ تھا لیکن مسلمانوں نے اس فن کو اپنا کر اسے بسر اوقات اور روزی کمانے کا ذریعہ بنا لیا۔ کیونکہ عوام نہ صرف مذہبی جذبے بلکہ تفریح طبع کے لیے بھی ان ڈراموں میں شریک ہوتے تھے بلاتفریق مذہب و ملت، ہندو اور مسلمان ان سوانگوں میں شرکت کرتے تھے[1]۔ جب مہابھارت کے کسی منظر کو پیش کیا جاتا تو اس موقع پر ایک مرد، مردانہ لباس زیب تن کرکے کرشن بھگوان کی نمایندگی کرتا تھا اور دوسرے لوگ عورتوں کے لباس میں ان کی گوپیوں کی قائم مقامی کرتے تھے، ڈرامے کے دوران میں کبیر داس کے کلام سے دوہے گائے جاتے تھے[2]۔

دہلی میں بھگت بازوں کا ایک قبیلہ تھا۔ تقی نامی شخص اس قبیلہ کا سردار تھا اور اپنے فن میں شہرۂ آفاق تھا، وہ محمد شاہ بادشاہ کا منظورِ نظر تھا اور دربارِ مغلیہ

---

[1] جنم اشٹمی کے موقع پر ہونیوالے ڈراموں میں مسلمان شریک ہوتے تھے ملاحظہ ہو ہفت تماشا ص ۸۶ – ۸۸

[2] ملفوظ رزاقی ص ۸۲

سے وابستہ تھا، بڑے بڑے ذی شان امرا بڑے احترام سے اسے اپنے ہاں مدعو کرنے اور دو چار گھنٹے اس کی صحبت میں بیٹھ کر محظوظ ہونے کے مشتاق رہتے تھے[۱] دہلی کے بھگت بازوں کے سارے ہندوستان میں طوطی بولتا تھا۔ قاسم نے ان کی تعریف میں یہ شعر کہا تھا۔

باندازِ بھگت بازانِ دہلی
بھگت کا سانگ لایا کو بکن بھی[۲]

لکھنؤ میں بھگت بازی کو کافی عروج حاصل ہوا۔ واجد علی شاہ کو رہس[۳] سے خاص دلچسپی تھی۔ لہٰذا رہس کے پلاٹ سے ماخوذ کر کے انھوں نے اپنا ایک ڈرامہ تیار کیا اس میں وہ بذاتِ خود کنہیا بنے اور بہت سی عورتیں عاشق مزاج گوپیاں اور پریاں بنکر انھیں ڈھونڈھتی پھرتیں بعد ازاں جب قیصر باغ کا دروازہ عوام الناس کیلئے کھول دیا گیا تو شہر میں ڈراما کا فن خود بخود ترقی کرنے لگا۔ یہاں امانت نے اندر سبھا لکھی، جس کو اسٹیج بھی کیا گیا۔ اردو ادب میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا ڈراما ہے[۴]۔

شب بازی یا کٹھ پتلیوں کا تماشا

کٹھ، سنسکرت کا لفظ ہے جو کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ایک رشی

۱۔ مرقع دہلی۔ ص ۶۵۔ ۶۶، نیز ملاحظہ ہو تاریخ فرخ سیر بادشاہ (از شیوداس لکھنوی ص ۲۶۶، محمد شاہ بادشاہ کے دربار سے وابستہ بھگت بازوں کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ شاکر خانی ۱۳۷/ب

۲۔ کلیاتِ قاسم انجمن ترقی اردو علی گڈھ) ص ۱۲۸

۳۔ گذشتہ لکھنؤ۔ ص ۱۰۵، ہفت تماشا/۷۹۔۸۰، بانسے میں بھگت بازی ملاحظہ ہو، ملفوظ رزاقی ص ۴۸۔ ۴۹۔ ۷۵۔ ۷۶، ۱۰۵، ۱۲۰

کا نام کٹھ ہے، ایک طرح کا پُرانا باجا، لیکن کہیں کہیں کاٹھ (काठ) لکڑی کی بنی ہوئی چیزوں کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کٹھ پتلی (कठपुतली) لفظ "پتلی" ہندی ہے اور دوسرے معنوں کے علاوہ گڑیا کے معنی میں بھی مستعمل ہے اس طرح کٹھ اور پتلی دونوں کو ملا کر ایک مرکب لفظ کٹھ پتلی بنا لیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں، کاٹھ کی گڑیا یا پتلی جو دھاگوں کی مدد سے ناچتی ہے، مسلمانوں نے اس کھیل کا نام شب بازی رکھا ہے کیونکہ بالعموم کٹھ پتلی کا تماشا رات کو ہی دکھایا جاتا ہے تاکہ عوام کی نظر دھاگہ پر نہ پڑ سکے ۔۔۔ عہدِ مغلیہ میں شب بازی اہم ترین تفریح طبع کا ذریعہ تھا۔ میلے ٹھیلوں کے علاوہ لوگ اپنے ہاں شب بازوں کو مدعو کر کے کٹھ پتلیوں کا تماشا دیکھتے اور فنکاروں کو انعام واکرام سے نوازتے تھے۔ اٹاوہ میں مسلمانوں کا ایک قبیلہ تھا جو شب بازی کے فن میں مہارت کلی رکھتا تھا اپنے بن گڈھ کے سفر کے دوران میں جب محمد شاہ بادشاہ کا اٹاوہ سے گذر ہوا تو وہاں کے فنکار بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے کرتبوں سے انھیں محظوظ کیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر انھیں پانچ روپے بطورِ انعام عطا کئے [1] اس موقع پر انند رام مخلص نے ایک رباعی کہی تھی

از رنگِ زمانہ بوئے خوف می آید — مخلص، بنظر شکلِ زبوں می آید
کردہ است بپا خیمۂ شب بازی، چرخ — تا از پسِ پردہ چہ بیروں می آید [2]

---

[1] سفرنامہ آنند رام مخلص ص ۳۶

[2] ایضاً ص ۳۶، نیز فٹ نوٹ ۲ دیکھئے "حلوہ خاتون" ایک محاورہ تھا جس کے معنی کٹھ پتلی کے تھے جسے فقیر لوگ کپڑے پہنا کر بچوں کے سامنے اپنے ہاتھ سے نچاتے تھے اور اپنی روزی کماتے تھے، دریائے لطافت (ا۔ت) ص ۱۴۰